مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی

از جناب مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند

ہندوستان میں آخری دور کے علماے حدیث میں منجملہ اکابر محدثین کے مرزا حسن علی صغیر لکھنوی الہاشمی کا نام بہت ممتاز ہے، موصوف سرآمد حلقۂ محدثین، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اور محلہ یحییٰ گنج میں رہتے تھے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس دور میں ایک دوسرے بزرگ نے بھی شہرت پائی، جو نہ صرف آپکے ہم نام تھے بلکہ آپکے ہم وطن بھی تھے، اور محلہ محمود نگر میں رہتے تھے چونکہ عمر میں آپ سے بڑے تھے، اس لیے شناخت و امتیاز کی غرض سے لوگوں میں "حسن علی کبیر" کے نام سے مشہور تھے،

نام و لقب مرزا حسن علی صغیر کا اصل نام محمد، لقب جمال الدین اور حسن علی عرف تھا، والد کا نام عبد العلی تھا، چنانچہ موصوف نے اپنے فارسی رسالہ "تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق" میں اپنا نام یوں لکھا ہے:

"امابعد می گوید بندۂ مسکیں جمال الدین محمد عرف حسن علی الہاشمی"[1]

---

[1] تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق" مطبع محمدی ۱۲۶۴ھ ص ۲، یہی نام موصوف کے شاگرد خادم علی سندیلی نے اپنی تالیف "تاریخ جد ولیہ" (طبع نولکشور کانپور) ص ۴۰، پر لکھا ہے، مگر آپکے بالواسطہ شاگرد عبد الشکور، عرف رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" (طبع نولکشور لکھنؤ) ص ۴۰، پر لکھتے ہیں،

"مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی ساکن محلہ یحییٰ گنج من محلات لکھنؤ" ملقب بہ میرک جمال الدین المعروف بمرزا" مرزا سے شہرت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نسلاً مغل تھے، مگر آپکے محولۂ بالا بیان سے اس امر کی تردید ہوتی ہے،

چونکہ آپ کا رشتہ سادات بنی ہاشم سے تھا، اس لیے اپنی نسبت "الہاشمی" لکھتے تھے، بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی آپ کو ہاشمی ہی لکھا ہے، مولانا محمد بن یحییٰ پورنوی "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:

ومنھم جمال الدین المعروف	اور شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں میں جمال الدین
بحسن علی الہاشمی اللکھنوی[1]	عرف حسن علی الہاشمی لکھنوی ہیں،

"تذکرۂ علمائے ہند" میں ہے:

"از سادات علوی است خود را ہاشمی می نوشت"[2]

تعلیم اور اساتذہ آپ نے درسی کتابیں ملا حید رعلی سندیلوی المتوفی ۱۲۲۵ھ سے پڑھی تھیں، جو مشہور معقولی ملا حمد اللہ[3] سندیلی کے فرزند تھے۔

درسی کتابوں سے فراغت پاکر دہلی پہنچے، یہاں بعض فنون کی تکمیل شاہ رفیع الدین دہلویؒ سے کی، شاہ عبدالقادرؒ سے بھی استفادہ کیا، اور حدیث محدث وقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ قدس سرہ العزیز سے پڑھی، آپ شاہ صاحبؒ کے نہایت ممتاز اور نامور شاگردوں میں تھے، چنانچہ صاحب "الیانع الجنی" نے شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے بعد آپ ہی کا تذکرہ کیا ہے،[4] آپ نے دوران تعلیم ہی میں "سنن ابی داؤد" کے نسخہ کو نقل کیا، اور اسکی تصحیح کی،[5]

---

[1] الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی" طبع جید پریس دہلی ۱۳۴۹ھ ص ۷۷، نواب صدیق حسن قنوجی "ابجد العلوم" (طبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ) جلد ۳ ص ۹۱۷ پر رقمطراز ہیں "الشیخ جمال الدین المعروف بحسن علی الہاشمی اللکھنوی"۔

[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۴ نیز تراجم الفضلاء، از فضل امام خیرآبادی، طبع کراچی ۱۹۵۶ء [3] تذکرۂ علمائے ہند ص ۵۲ و تراجم الفضلاء، ص ۸ [4] الیانع الجنی ص ۷۷ [5] یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولانا حسن علی صغیر نے اس نسخہ کی تصحیح اپنے استاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ذاتی نسخہ سے کی تھی، یہ نسخہ اپنی صحت میں بے نظیر نسخہ تھا، اور درس کے وقت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رہتا تھا (باقی ص ۴۲۹ پر)

اور روایت حدیث کی سند لیکر لکھنؤ پہنچے، یہاں محلہ یحییٰ گنج میں حدیث کا درس دینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ حدیث سے اتنا شغف ہوگیا کہ بعض کا خیال ہے کہ آپ نے شافعی مذہب اختیار کرلیا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۸) اس نسخہ کے متعلق مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے مشہور محدث میاں نذیر حسین دہلویؒ سے بہت تفصیلی بیان نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

شیخنا المحدث العلامہ السید	ہمارے شیخ محدث علامہ سید نذیر حسین دہلوی
نذیر حسین الدہلوی انہ یقول	فرماتے تھے کہ محدث الہند علامہ شاہ عبدالعزیز
ان الشیخ العلامہ محدث الهند	ابن ولی اللہؒ نے سنن ابی داؤد کے ایک نسخہ
عبدالعزیز بن ولی اللہ قد صحح نسخۃ	کی تصحیح کی تھی، اور چند نہایت صحیح نسخوں کو
من سنن ابی داؤد وعارضها وقابلها	سامنے رکھکر اس کا مقابلہ کیا، اور پھر ساری
علی عدۃ من النسخ الصحیحۃ وقد	کتاب پر اول سے آخر تک حاشیہ لکھا اور مشکل
حشاها من اول الکتاب الی آخرہ	مقامات میں سے کوئی مقام ایسا نہ تھا جسکی
فلم یترک موضعاً واحدا من المواضع	وضاحت اور تشریح نہ کی ہو، یہ شاہ صاحب
الصحیحۃ من غیر ایضاح ومن غیر کشف	کا علماء پر بہت بڑا احسان تھا، وہ مبارک
وکانت هذہ منۃ عظیمۃ منہ	اور صحیح نسخہ ہمارے شیخ سید نذیر حسین کو ...
رحمۃ اللہ تعالی علی العلماء وقد	...... ملا تھا، اور یہ نسخہ ایک زمانہ
وصلت تلک النسخۃ الصحیحۃ	تک آپکے پاس رہا کہ غدر کا حادثہ پیش آیا
المبارکۃ الی شیخنا السید نذیر حسین	اور اس حادثہ میں یہ نسخہ بھی ضائع ہوگیا،
وقد بقیت عندہ الی ان جاءت	جب بھی آپ اس نسخہ کے ضائع ہونے کا ذکر
ایام ذ نت الهند فضاع الکتاب	کرتے تو آپ کو بے انتہا قلق اور بڑا صدمہ ہوتا

(باقی حاشیہ ص ۴۳۰)

جیسا کہ "تذکرۂ علمائے ہند" میں ہے:

بعضے می گویند کہ مذہب شافعی می داشت ۔[1]

مولانا محمد بن یحییٰ پورنوی "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:

قد اشتہر بین الناس انہ کان	لوگوں میں ایسا مشہور ہو کہ آپ نے امام شافعیؒ
یتعبد علی المذہب الشافعی رض	کا مسلک اختیار کر لیا تھا اور بعض کا خیال کچھ
وقیل غیر ذالک واللہ اعلم[2]	اور ہے حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے

لیکن موصوف کی تصانیف میں فقہ حنفی کی کتابوں کی طرف مراجعت کا حکم موجود ہے جو اسی امر کی تائید کرتا ہے، کہ آپ آخر دم تک حنفی رہے، چنانچہ سرآمد حلقہ اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں قنوجی جنھوں نے موصوف کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا تھا، آپ کی نسبت "ابجد العلوم" میں لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۹) فی تلک الفتنۃ	اور بہت مغموم ہوتے، اور فرماتے اگر کسی کے پاس
ورأیتہ رحمہ اللہ تعالیٰ لما یذکر	یہ کتاب مل جائے تو میں اپنی تہی دستی، بے مائگی
قصۃ ضیاع الکتاب یحزن کثیراً و	اور تنگ دستی کے باوجود اس کو بہت
یتاسف تاسفا عظیما ویصیر مغموما	بھاری رقم دیکر خرید لوں،
ویقول لو وجدت ذلک الکتاب	
عند احد اشتریتہ منہ باغلی	
ثمن مع عجزی وقصوری وقلۃ بضاعتی	

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد" مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ ج ۴ ص ۵۵۳)

(حواشی صفحہ ہذا) [1] تذکرۂ علمائے ہند ص ۴۴ [2] الیانع الجنی ص ،،

رأیت لہ فتاویٰ بالفارسیۃ	میں نے موصوف کے فتاویٰ کے فارسی مجموعہ کو
علی طریقۃ الفقہاء ولم نجد لہ	دیکھا ہے اس میں فقہائے سلف کے طریقہ کا التزام
عزما یمتاز بہ عن غیرہ[1] . . .	ہے، آپ کی طرف سے کوئی جدت نہیں کہ جس کی وجہ سے
. . . .	آپ اوروں سے ممتاز ہو سکیں،

اخیر عمر میں قدرے آزاد خیال ہو گئے تھے، اور حنفی مذہب کے اس سختی سے پابند نہیں رہے تھے جس سختی سے کہ اوائل عمر میں اس پر کاربند تھے،

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ

مولانا نے جملہ علوم کی تکمیل ارباب فن سے کی تھی اور ہر فن کو بہت محنت اور شوق سے پڑھا تھا، پھر خانوادۂ ولی اللّٰہی سے جو سوز انھیں ورثہ میں ملا تھا، اس کی بدولت ہندوستان میں جہاں ابھی تک معقولات کی حکمرانی تھی، علوم نقلیہ کی اشاعت و ترویج پر کمر باندھی اور اسی جذبہ سے متاثر ہو کر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا، تھوڑے ہی عرصہ میں شہرت نے آکر قدم چومے اور محلہ یحییٰ گنج حدیث کی اشاعت کا مرکز بن گیا، اور بڑے بڑے فضلائے روزگار نے اسی آستانہ پر آکر کسب کمال کیا۔

لکھنؤ میں اس سے قبل جن علوم کی شہرت تھی وہ تمام تر معقولات کا فن تھا، منقول برائے نام تھی، مگر جب یحییٰ گنج میں درس حدیث کا آغاز ہوا تو لکھنؤ کے ہر گلی کوچہ میں حدیث رسول کا چرچا ہونے لگا، بالآخر فرنگی محل کے علماء نے بھی اس فن کی باقاعدہ تکمیل موصوف سے کی، اور فرنگی محل بھی اس فن کی اشاعت کا مرکز بن گیا، چنانچہ مولانا محمد عنایت اللہ "رسالہ تدوین حدیث" میں لکھتے ہیں:

"چونکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تلامذہ اطراف ہند میں پھیل گئے تھے، اس لیے علم حدیث

[1] ابجد العلوم ج ۳ ص ۹۱۱،

فرنگی محل میں ان تلامذہ کے ذریعہ پہنچا، اور مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور مرزا حسن علی محدث سے مولانا عبد الحئی کے والد ماجد مولانا عبد الحلیم اور عبد الباری صاحب کے جد امجد حضرت شاہ عبد الرزاق رحمہم اللہ نے علم حدیث حاصل کیا، اور اس کے بعد علم حدیث کا پرچا فرنگی محل سے ہونے لگا۔"[1]

مولانا حسن علی صغیر نامور مدرس اور بلند پایہ محدث ہی نہ تھے، بلکہ ایک نہایت شیوہ بیان مقرر اور سحر طراز خطیب بھی تھے، چنانچہ جو بھی آپ کا وعظ سنتا گرویدہ ہو جاتا تھا،

اخلاق وعادات مرزا حسن علی صغیر نہایت با اخلاق، متواضع، نیک طینت اور درویش سیرت انسان تھے، چنانچہ جب سید احمد شہیدؒ لکھنؤ وارد ہوئے اور لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، تو آپ نے موصوف کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اپنے مکان پر آپ کی دو مرتبہ دعوت کی اور چند چیزیں تحفہ کے طور پر پیش کیں، جیسا کہ مولانا ابو الحسن علی ندوی "سیرت سید احمد شہید" میں لکھتے ہیں:

"مرزا حسن علی صاحبؒ نے سید احمد صاحبؒ کی دو مرتبہ دعوت کی، آخری دعوت میں آپ نے بھری محفل میں سید صاحبؒ کو دو تھان مشروع کے اور ایک تھان چکن کا، اور ایک چھوٹا پاندان سفید الائچیوں سے بھرا ہوا، اس میں ایک عطر کی شیشی رکھی ہوئی، سید صاحب کو ہدیہ کیا، آپ نے رفقاء میں سے ایک شخص سے کہا کہ یہ سامان لے لو، یہ مرزا صاحب کا تبرک ہے، یہ الائچیاں ہم کھائیں گے۔"[2]

مولانا کا تبحر علمی مولانا حسن علی فن حدیث اور علوم حدیث کے بڑے ماہر اور نکتہ سنج فقیہ تھے، مولانا محمد بن یحییٰ پورنوی "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں،

[1] رسالہ "تدوین حدیث" مطبوعہ اشاعت العلوم فرنگی محل ص ۲، [2] سیرت سید احمد شہیدؒ، ج ۱، ص ۱۳۱، طبع دوم

جمال الدین المعروف بحسن علی الهاشمی اللکهنوی کان متبحرا فی الحدیث ومتقنا بعلومه[1]	مولانا جمال الدین جو حسن علی لکھنوی الہاشمی سے مشہور ہیں، فن حدیث اور علوم حدیث میں بڑے ماہر اور بحر زخار تھے۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی "ابجد العلوم" میں فرماتے ہیں:

الشیخ جمال الدین المعروف بحسن علی الهاشمی اللکهنوی کان له خبرة فی الحدیث یعتنی بعلومه[2]	مولانا جمال الدین جو حسن علی ہاشمی لکھنوی سے مشہور ہیں، انھیں فن حدیث میں بڑی بصیرت تھی اور علوم حدیث سے بڑا اشتغال تھا۔

سید عبد اللہ سیرام پوریؒ[3] جو سید احمد شہیدؒ کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے اور سید صاحب کے ساتھ حج میں گئے تھے، اسی زمانہ میں موصوف نے سید احمد علی شاہ سے جو سید احمد شہیدؒ کے بھانجے تھے شاہ عبد القادرؒ کے مترجمہ قرآن کی نقل لی تھی، جب آپ حج سے ہندوستان واپس آئے اور اسکا ذکر جن اصحاب ثلاثہ سے کیا، اور جنھوں نے اس اہم کام کی طباعت اور اشاعت پر آپ کو آمادہ کیا، ان میں مرزا حسن علی صغیر لکھنوی بھی تھے، چنانچہ موصوف اپنے طبع کردہ قرآن مجید (مطبع احمدی ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء) کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اس قلیل البضاعت نے بعد مراجعت اس سفر (حج) کے مولانا عبد الحئی صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی اور مولوی حسن علی (صغیر) صاحب لکھنوی کے ایما اور استصلاح سے کمر ہمت اپنی مستحکم باندھی اور مصمم ارادہ کیا کہ جس طرح ہو اسکو چھپوانا چاہیے۔"

باندہ کا سفر مولانا حسن علی صغیر نے ۱۲۲۶ھ میں باندہ کا سفر کیا، اور یہیں خادم علی سندیلی نے

[1] الیانع الجنی ص ۷۷، [2] ابجد العلوم ج ۳ ص ۹۱۷، [3] جماعت مجاہدین، از غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور، ص ۲۸۷

آپ سے کسب فیض کیا، چنانچہ مولانا رحمان علی لکھتے ہیں

"منشی خادم علی سندیلی مولف تاریخ جدولیہ بسال دوازدہ صد و بست و شش ہجری بمقام باندا استفیض خدمت او شدہ"[1]

سفر حرمین شریفین ۱۲۴۲ھ میں فریضۂ حج ادا کیا، اور کچھ عرصہ قیام فرما کر واپس لکھنؤ آئے، اس کا ذکر موصوف نے اپنے فارسی رسالہ "تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق" کے آخر میں کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں،

"یازدہم شہر شعبان ۱۲۴۳ھ روز چہار شنبہ بعد مراجعت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و مجداً"

باندہ کو روانگی ۱۲۴۶ھ میں دوبارہ باندہ کا سفر کیا، مگر زیادہ قیام نہیں رہا، ان ہی ایام میں منشی خادم علی سندیلی نے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا جس کا جواب موصوف نے عربی میں دیا تھا، منشی خادم علی سندیلی نے اپنی کتاب "تاریخ جدولیہ" میں اس کو نقل کیا ہے، ہدیۂ ناظرین ہے، اس سے موصوف کے عربی انداز نگارش اور افتاد طبع پر روشنی پڑتی ہے،

احمد اللہ الذی زین عرائش الطروس بنفائس المبانی، وجل جباه الصحف بلطائف المعانی، واصلی واسلم علی سیدنا محمد المخصوص بفصاحۃ[2] العرب العرباء والمؤید ببلاغۃ[3] مصاقع الخطباء، وعلی آلہ واصحابہ المجلین فی میدان براعتہ، المصلین فی مضمار بلاغتہ وبعد فسلام اللہ ازکی من المسک الاذفر واطیب من ریا العبہر[4]، والطف من نسیم السحر، واضوء

1. تذکرۂ علمائے ہند، ص ۶۹ 2. فی الاصل "بفصاحتہ" 3. فی الاصل "بیلاغتہ" 4. فی الاصل "من ریا عبہر"

من ضوء القمر، اطال اللہ بقاءک، ورزقنی فی اعجل حین لقاءک، اجد[1] اصنافاً من الحب لماجد، لہا مثلاً[2] من سائر الناس یعرف، فمنہن من لا یعرض الدھر ذکرکم،

علی الروح الا کادت الروح تتلف[3]، ومنہن حب الفواد لحسنہ، ولا امتری فیہ ولا اتکلف،

واللہ لقد رفعت لہذا الحب فی القلب قباب، لہا من حبال الوصل صماء الود اوتاد واسباب بہ القوم اخوان الصدق بینہم، سبب من المودۃ لم یعد بہ نسب، سلوا عن مودۃ الرجال قلوبکم فتلک شہود، لم تکن تقبل الرشاد[4]. ثم انی کنت اردت ان اوصلک الی مقاصد الکمال وابلغک الی معارج الحلال، ولکنک استبددت علینا. فلا علیک ان تبتغی[5] بذلک[6] الی حیازۃ صلاح الدنیا وفلاح الآخرۃ علیک بالعلم والعمل والتقی وکن من ابناء الآخرۃ ولا تکن من ابناء الدنیا، ھذا ولعمری ان الدنیا اذا اقبلت اقبلت واذا ادبرت، ادبرت، فلا یغرنک جیوش زہرۃ الدنیا وزخارف الہوی، وتشبث[7] باذیال معالم الدین، یبلغک اللہ الی مراسم الیقین، والباقی فی الآتی، علی اعانۃ الرب المتعالی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔ ۱۲۴۶ھ فقط مقام باندا۔

مولانا کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، تشنگان علوم دور دور سے آتے اور آپ کے چشمۂ فیض سے

1. فی الاصل "الماجد" 2. فی الاصل "عن" 3. فی الاصل "بتلف" 4. فی الاصل "الرشا" 5. فی الاصل "ینبغی" 6. فی الاصل "مابذالک" 7. فی الاصل "تشبث"

سیراب ہوکر واپس جاتے، اس درس کی بدولت مولانا کی شہرت میں چار چاند لگ گئے، اور مولانا کو حدیث اور علوم حدیث سے اتنا شغف ہوگیا کہ انھیں کسی مستقل تصنیف و تالیف کے لیے وقت نہ ملتا، تاہم حالات کے تقاضے سے مجبور ہوکر جو کچھ لکھا، وہی آپ کی یادگار ہے، جس کے دیکھنے سے مولانا کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

تصانیف | موصوف کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) "تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق"۔ یہ رسالہ آپ نے حج سے واپسی پر لکھا، یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے، اور ۱۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس رسالہ میں ضرورت نکاح پر شرعی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے، مطبع محمدی میں سنہ ۱۲۶۴ھ میں چھپا تھا، لیکن اب کمیاب ہے، الحمد للہ والد مرحوم منشی عبد الرحیم خاطر جے پوری المتوفی سنہ ۱۲۰۲ھ کی متروکہ کتابوں میں سے احقر کے پاس ہے، اس کا ابتدائی حصہ تبرکاً درج ذیل ہے:

الحمد للہ الذی احل النکاح وحرم السفاح وخلق الانسان من نطفۃ امشاج، ثم جعلہ سمیعاً بصیرا، وخلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیرا ونساءً وقدرہ تقدیرا، والصلوٰۃ علی من ارسل الی الخلق کافۃ وبعث ھادیا الی الناس بشیرا ونذیرا وعلی آلہ واصحابہ الذین طہروا عن رجس الشرک والطغیان تطہیرا: اما بعد می گوید بندۂ مسکین جمال الدین محمد عرف حسن علی الہاشمی عفی عنہ کہ بعضے دوستانِ راسخ الاعتقاد و مخلصان واثق الوداد درخواست فرمودند کہ طریقۂ نکاح خواندن وکمیت مہر وانچہ مناسب دراں باشد وتعلق بداں دارد آں را در چند ورق تحریر نماید، لہذا این رسالۂ موجزہ بپاس خاطر دوستانِ صادق وبحسب طلب محبان موافق در سلک تحریر کشیدیم تا حکم خدا ورسول

را کہ در بیان سنت سنیۂ نکاح باشد تحقیق نمودہ بوقت حاجت مطالب رسالۂ مسطورہ را دستور العمل خود نماید و در اتباع طریقۂ حسنہ اہتمام تمام واحتیاط بسیار در عقد مذکور بموت وقت این رسالہ بعمل آرند وہر قدر کہ ضرورت بداں افتد دریں وثیقہ تحریر می شود وایں رسالہ را بریک مقدمہ و دو مقصد ویک خاتمہ ترتیب دادم و بہ "تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق" موسوم ساختم، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب" "مقدمہ" در تنبیہ غافلین مذکور است کہ شخصے پسر خود را بحضور شریف حضرت امیر المومنین فاروق اعظمؓ آوردہ بموقف عرض رسانید کہ ایں فرزندم حق پدری کہ بر ذمہ اوست ادا نمی کند لہذا تنبیہ وسیاست او ضرورست امیر المومنین عمرؓ پسرش را تنبیہ کردہ فرمود کہ خدائے تعالیٰ حق والدین بر اولاد فرض گردانیدہ است تو چرا حق پدر نمی گزاری وی عرض ساخت کہ یا امیر المومنین آرے حق والدین بر اولاد ثابت ست اما حق اولاد ہم بر ذمۂ والدین چیزے ہست فرمود آرے، وے عرض کرد کہ کدام حق است امیر المومنین فرمود چہار حق ست، یکے آنکہ مادر او کہ حرہ باشد باوے عقد نکاح نماید، دوم آنکہ بعد ولادت نام فرزند کہ مستحسن باشد بدارد، سوم آنکہ تعلیم علم بوے نماید، چہارم آنکہ چوں بحد بلوغ برسد بزنے از اعیان قوم تزویج کند، پسر عرض کرد کہ یا امیر المومنین پدرم یکے ازیں حقوق مذکورہ ادا نساختہ است بازچگونہ حقوق خود را از بندہ استیفا میکند زیراکہ ادرم را بیک صد درہم خریدہ ونام من جُعل نہادہ وتا حال آیتے از کتاب اللہ بمن یاد نداہانیدہ، وہنوز بزنے عقد نکاح نفرمودہ، امیر المومنین بمشاہدۂ ایں حال پدرش را زجر فرمود وگفت کہ تو عجب بے انصافی کہ حقوق خود از وی می خواہی وچیزیکہ از حقوق او بر ذمہ تست آنرا یکسر فراموش ساختہ اولاً حقوق ادا و انما بعد ازاں حقوق خود از وی بخواہ، خلاصۂ کلام آنست کہ تزویج فرزند وتعلیم وغیرہ

از حقوق او بر ذمہ والد ست چنانکہ در حدیث آمدہ است کہ چوں فرزند بسن ہفت سالگی برسد پدر تاکید نماز بوے کند وچوں بسن دہ سالگی برسد بر ترک صلوٰۃ ضرب و شلاق اورا کند وچوں بہ دوازدہ سالگی برسد بر بستر علیحدہ خواب کنانند یعنی بستر خواب اورا جدا سازد وچوں بہ ہفدہ سالگی برسد عقد نکاح او کردہ دہد واگر دختر باشد تعجیل در نکاح او تا مقدور کند خصوصاً بوقت بہم رسیدن کفو چنانکہ در حدیث ترمذی آمدہ است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با امیر المومنین علیؓ فرمود کہ یا علی سہ چیز را تاخیر مکن چوں وقت آں رسد نماز چوں وقتش در رسد وجنازہ چوں حاضر گردد ونکاح دختر بوقت بہم رسیدن کفو، قال اللہ تعالیٰ وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ، ترجمہ، نکاح کردہ دہید زنان بے مرد ومرداں بے زنان راکہ از شما باشند وغلاماں وکنیزاں شایستہ کار را اگر باشند فقیراں توانگری بخشد ایشاں را خداے تعالیٰ،

(۲) "برہان الخلافۃ"۔ یہ موصوف کے فارسی فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اور ابتک طبع نہیں ہوا، اس پر نواب صدیق حسن خاں کے والد سید اولاد حسن خان قنوجی کے تعقبات بھی ہیں، چنانچہ موصوف "ابجد العلوم" میں لکھتے ہیں،

رأیت لہ فتاوی بالفارسیۃ	میں نے موصوف کے فارسی فتاوی کے مجموعہ کو دیکھا
علی طریقۃ الفقہاء ولہ تجد لہ	ہے، اس میں فقہائے سلف کے طریقہ کا التزام ہے اور
عنما یمتاز بہ عن غیرہ وکان	آپ کی طرف سے کوئی جدت نہیں کہ جسکی وجہ سے آپ اوروں
من احباب[1] سیدی الوالد	سے ممتاز ہو سکیں، آپ میرے والد بزرگوار کے

[1] بلاشبہ نواب صدیق خاں نے یہاں اپنے والد سید اولاد حسن خاں قنوجی کو مرزا حسن علی صغیر کے احباب میں شمار کیا ہے لیکن "اتحاف النبلاء" میں موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ مرزا حسن علیؒ سے آپکے والد کو تلمذ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں (باقی ص ۴۳۹ پر)

الماجد رحمۃ اللہ وقد تعقبہ	احباب میں سے تھے، انکے بعض فتوؤں پر والد مرحوم
الوالد فی بعض مسائلہ[1] (ص ۳)	کے تعقبات بھی ہیں،

(۳) "حاشیہ سنن ابی داؤد"۔ یہ عربی میں ہے، اس کا موصوف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ آپ کے بیک واسطہ شاگرد مولانا عبد الحئی فرنگی محلی المتوفی ۱۳۰۴ھ کے کتب خانہ میں موجود تھا، چنانچہ مولانا اپنے مشہور رسالہ "اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ" میں لکھتے ہیں:

"قال مولانا حسن علی المحدث الہاشمی اللکھنوی فی ہوامش نسخۃ سنن ابی داؤد والتی کتبہا بیدہ وحشاہا وصححہا حین قراءہا"[2]

موصوف نے اس کے تحشیہ سے ۱۲۲۴ھ میں فراغت پائی تھی،

(۴) "حاشیہ جامع الترمذی"۔ موصوف نے جامع ترمذی کے نسخہ کو بھی نقل کیا تھا، اور اس کی تصحیح بھی کی تھی، کہیں کہیں اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا، موصوف کا یہ نسخہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی کے پاس تھا، چنانچہ مولانا عبد الرحمن مبارکپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ نے "مقدمۃ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۸) ویلدۂ قنوج از وجود علماء خالی گشت در طلب علم وغیرہ سہ رحلت کردند اول بسوے بلدۂ لکھنؤ وانجا کسب فنون واخذ علوم از عربیت وفقہ ومعقول وغیرآں از خدمت مولوی نور بن مولوی محمد انوار ومرزا حسن علی ہاشمی محدث تلمیذ شاہ عبد العزیز دہلوی نمودند"۔ (اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین۔ نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ ص ۱۵۲)

[1] "ابجد العلوم" ج ۳ ص ۷، ۹ [2] "اقامۃ الحجۃ" ص ۲۶، یہ رسالہ "مجموعہ تحفۃ الطلبہ" کے ساتھ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۳۷ھ میں شائع ہوا تھا، جب مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے سنن ابی داؤد کا حاشیہ لکھنا شروع کیا تو آپنے یہ نسخہ مولانا عبد الحئی فرنگی محلی سے مستعار لیا اور سنن ابی داؤد کی تصحیح اور تحشیہ میں اس سے بڑا استفادہ کیا، چنانچہ موصوف نے لکھا ہے: (باقی ص ۴۴۰ پر)

تحفۃ الاحوذی" میں "جامع ترمذی" کے مطبوعہ نسخوں کے بعض اغلاط کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے،

وقع فی النسخۃ الاحمدیۃ وغیرھا	جامع ترمذی کے مطبع احمدی والے نسخوں اور
من النسخ المطبوعۃ فی الھند فی باب	ہندوستان کے اور مطبوعہ نسخوں میں بھی "باب
مایقول اذا خرج من الخلاء	مایقول اذا خرج من الخلاء" میں جو سند حدیث
حدثنا محمد بن حمید بن اسمٰعیل	حدثنا محمد بن حمید بن اسمٰعیل نا مالک بن اسمٰعیل
نا مالک بن اسمٰعیل عن اسرائیل	عن اسرائیل ...... چھپی ہے وہ غلط ہے،
...... قلت ثم وقفت بعد	چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد مجھے اس امر پر آگاہی ہوئی
ذٰلک علی ما افادہ العلامۃ	کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے اس مقام
شمس الحق العظیم ابادی فی	پر اس امر کی وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ
ھذا المقام حیث قال قولہ	ترمذی کا جو قول حدثنا محمد بن حمید بن اسمٰعیل
حدثنا محمد بن حمید بن اسمٰعیل	عن مالک بن اسمٰعیل عن اسرائیل ......

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۹) الخامسۃ بخط الشیخ الکامل	اور پانچواں نسخہ شیخ کامل مرزا حسن علی
مرزا حسن علی المحدث اللکھنوی من تلامذۃ	محدث لکھنوی جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے
الشیخ عبد العزیز الدھلوی وعلیھا	شاگردوں میں سے تھے، کے ہاتھ کا لکھا ہوا
خطوط العلماء المکتوبۃ سنۃ ۱۲۲۴ھ	نسخہ تھا، اور اس نسخہ پر علما کی تحریریں بھی ہیں،
وصل من الفاضل الالمعی	یہ نسخہ ۱۲۲۴ھ کا مخطوط ہے، فاضل لکھنوی
المولوی عبد الحی اللکھنوی	مولانا عبد الحی فرنگی محلی سے ہمیں ملا ہے۔
(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ج ۴ ص ۵۵۵	
مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ)	

نا مالک بن اسماعیل عن اسرائیل	مطبع احمدی والے نسخہ میں ہے، ایسے ہی ابن
ھکذا فی النسخ المطبوعۃ فی المطبع	قلمی نسخہ میں بھی ہے جس پر فاضل حسن علی
الاحمدی وھکذا فی نسخۃ قلمیۃ	لکھنوی کے حواشی تھے، آپ شیخ اجل
علیھا خطوط للفاضل حسن علی	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے
اللکھنوی من تلامذۃ الشیخ الاجل	شاگردوں میں سے ہیں،
عبد العزیز المحدث الدھلوی[1]	

(۵) رسالہ قوس وقزح۔ یہ رسالہ متوسط تقطیع کے ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور مطبع مصطفائی دہلی میں چھپا ہے، اس رسالہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ میبذی کی بحث قوس وقزح کی تشریح وتفصیل ہے،

تلامذہ: آپ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، سیکڑوں طالبان حدیث نے آپ سے فن حدیث میں استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی، ان میں سے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا رحمٰن کے استاد معین الدین شہدی کڑوی[2]، مولانا محمد علی صدر پوری[3]، مولانا حافظ علیم اللہ نگرامی[4]، محدث حسین احمد ملیح آبادی[5]، منشی خادم علی سندیلوی مولف "تاریخ جدولیہ"[6]، شاہ عبد الرزاق فرنگی محلی[7]، مولانا مسیح الدین کاکوروی[8]، محدث شاہ ظہور محمد لکھنوی[9]،

[1] "مقدمہ" تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی" طبع اولیٰ، جید برقی پریس دہلی ۱۳۴۶ھ ص ۳۳۸، واضح رہے صحیح سند یوں ہے، "حدثنا محمد بن اسماعیل نا مالک بن اسمٰعیل عن اسرائیل الخ" درمیان سند میں "حمید" کا نام غلط ہے، امام ترمذی کے شیوخ میں "محمد بن حمید" نام کا کوئی استاد نہیں ہے۔
[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۹ [3] ایضاً ص ۳۰۳ [4] ایضاً ص ۱۴۸ [5] ایضاً ص ۵۰ [6] ایضاً ص ۱۱۸ [7] مرآۃ الاعلام فی مآثر الکرام [8] تذکرہ مشاہیر کاکوری از محمد علی حیدر، اصح المطابع لکھنؤ ۱۹۲۷ء، ص ۲۹۹ تا ۳۰۴ [9] موصوف نے صحیحین، بلوغ المرام وغیرہ کی سند مرزا صاحب سے لی تھی، آپ کے تذکرہ کیلیے ملاحظہ ہو "تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار" مصنفہ صدیق حسن خاں قنوجی ص ۲۱، نیز تاریخ جدولیہ ص ۱۱۴

مفتی سعد اللہ مراد آبادیؒ، نواب صدیق حسن خاں کے والد سید اولاد حسن خاں قنوجیؒ، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کے والد مولانا عبد الحلیم لکھنویؒ، مولانا خرم علی بلہوریؒ۔

وفات | آخر عمر میں استسقاء کی شکایت ہو گئی تھی، آخرکار یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا "تذکرہ علمائے ہند" میں ہے:

"در اواخر سلطنت نصیر الدین حیدر شاہ اودھ بمقام لکھنو بمرض استسقاء رحلت نمود وہم درآنجا مدفون شد سقی اللہ ثراہ"

موصوف نے نصیر الدین حیدر شاہ کے چچا محمد علی شاہ کے زمانہ میں ۲۶ صفر ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی اور لکھنؤ میں دفن ہوئے۔

۱؎ "فتاوی سعدیہ" مجتبائی دہلی، "ابجد العلوم" از نواب صدیق حسن خاں ج ۳ ص ۹۳۵، حدائق الحنفیہ از فقیر محمد جہلمی طبع نولکشور از ص ۴۸۴ تا ۴۸۵، "حیات جاوید" طبع انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۹ء از خواجہ الطاف حسین حالی ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۴، تذکرہ کاملان رامپور از محمد علی شوق طبع ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء از ص ۱۵۱ تا ۱۵۴، ۲؎ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین مولفہ نواب صدیق حسن خان طبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ از ص ۲۳۵ تا ۲۳۸، ابجد العلوم ج ۳ ص ۹۳۵ ۳؎ احوال علمائے فرنگی محل از الطاف الرحمن مطبوعہ مجتبائی لکھنو ص ۶۳، تذکرہ علمائے ہند از ص ۱۰۳ تا ۱۰۴، حدائق الحنفیہ ص ۴۸۴، تذکرۃ الانساب از مفتی سید عبد الفتاح المعروف بہ اشرف علی گلشن آبادی، افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ از ص ۱۴۹ تا ۱۵۰، روضۃ النعیم فی خوارق مولانا عبد الحلیم از محمد عبد الحمید فرنگی محلی مطبع مینائی لکھنو ۱۳۰۳ھ، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی نے موصوف کی وفات پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جس کا نام "حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم" ہے، یہ رسالہ نفیسی کے ساتھ مطبع نظامی سے چھپ گیا ہے، بعد میں نولکشور سے علیحدہ بھی چھپا ہے ۴؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۵ ۵؎ مولانا کے سال وفات میں اختلاف ہے، امام خاں نوشہروی "تراجم علمائے حدیث ہند" ج ۱ ص ۵۲۰ پر لکھتے ہیں: "نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں ۱۲۳۶ھ میں وفات پائی" یہی سال وفات موصوف نے اپنے مقالہ "ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات" (مطبوعہ صحیفہ برقی پریس دہلی) میں لکھا ہے، جو بداہۃً غلط ہے کیونکہ نصیر الدین حیدر شاہ کا زمانہ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء سے ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء تک ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، نیز ۱۲۴۲ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور ۱۲۴۳ھ میں تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق نامی رسالہ لکھا، ۱۲۴۶ھ میں باندہ کا سفر کیا، اسلیے موصوف کا صحیح سال وفات ۱۲۵۵ھ ہے جیسا کہ نزہۃ الخواطر (قلمی) ج ۷ میں ہے۔